قرآن حکیم اور محروم طبقات

جناب میر محمد حسین صاحب۔ ایم۔اے۔ فاضل دیوبند

(۲)

غلام آج تو شاید یہ لفظ متمدن معاشرے کے لیے غیر مانوس بلکہ ناقابلِ برداشت ہو، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخ کا ایک دور ایسا بھی گذرا ہے (اور اسے گذرے کچھ زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا) کہ یہ طبقہ نہ صرف موجود تھا بلکہ محروم و مظلوم ترین طبقہ تھا۔ بہت سے نام نہاد فلسفوں اور مذاہب نے اسے ایک ناگزیر ضرورت قرار دیا تھا۔ ہر ملک، ہر مذہب اور ہر معاشرے میں غلام نہ صرف موجود تھے بلکہ اُن کا مال مویشی کی طرح وسیع پیمانے پہ کاروبار ہوتا تھا۔ یہودیوں اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں مختلف وجوہات کی بنا پر کسی بھی شخص کو غلام بنایا جا سکتا تھا۔ الغرض انسانی معاشرے کے اس طبقے کی دُنیا پہ چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے لیکن آفتابِ جہاں تابِ اسلام کے طلوع ہوتے ہی یہ تاریکیاں چھٹنے لگیں۔ قرآن حکیم نے چھوٹتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ: یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی ......اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔ کہ تمام انسان چاہے اُن کی رنگتیں، بولیاں اور قومیتیں کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہوں، ایک ہی مرد اور عورت کی اولاد ہیں، لہٰذا انسانیت کے ناطے سب برابر ہیں۔ غلام ہونے سے کوئی آدمی چھوٹا اور آزاد ہونے سے کوئی آدمی بڑا نہیں ہو جاتا۔ بڑا وہ ہے جس کا کردار بڑا ہے۔ قرآن کا یہ پہلا کڑکا تھا جس نے ذہنوں میں گڑے ہوئے مولائی و آقائی کے پہاڑوں کو خاشعاً متصدعاً کر دیا۔ اور پھر اسی کی صدائے بازگشت تھی حاملِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اعلان جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سلسلے جاہلی امتیازات کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ کُلُّکُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ ۔ قرآن اور حاملِ قرآن کی دی ہوئی اکرامِ انسانیت کی یہی تعلیم تھی کہ حضرت عمرؓ اپنے ایک عظیم قریشی گورنر کو ڈانٹتے ہوئے پوچھتے ہیں۔

حتی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احراراً۔

قرآنِ حکیم نے صرف اس اعلان اور تعلیم پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ معاشرے میں پہلے سے موجود اس لعنت کو دُور کرنے کے لیے مختلف اقدامات کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے تو قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ محسوس کریں گے کہ سارے قرآن میں کسی کو غلام بنانے کا کہیں حکم نہیں دیا گیا۔ اور نہ ہی اس کی کوئی صورت بتائی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہر انسان کو فطرۃً آزاد تسلیم کرتا ہے۔ اور ان کی غلامی کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ کفار سے جنگ کے نتیجے میں قیدیوں کو غلام بنانے کی ایک صورت اگرچہ اسلام میں ناگزیر حالات کی وجہ سے معمول بہا رہی ہے، مگر قرآنِ حکیم نے اس کی صراحت نہ کر کے، بلکہ اس کے بارے میں سکوت اختیار کر کے اپنا منشا ظاہر کر دیا ہے کہ بہر حال یہ صورت اسے مرغوب و محبوب نہیں۔ ان اقدامات میں سے ایک اقدام یہ بھی تھا کہ غلام کو آزاد کرنا ایک بہت بڑی نیکی قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

فلا اقتحم العقبة وما ادراك ما العقبة فك رقبة (البلد)

اس ترغیب کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے بے شمار غلام، لوگوں سے خرید خرید کر آزاد کرنے شروع کر دیے۔ دوسرا کام یہ کیا کہ جنگ میں قیدیوں کو فدیہ لے کر یا احساناً (بلا معاوضہ) چھوڑنے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر جنگوں میں حضورؐ نے قیدیوں کو غلام بنائے رکھنے کی بجائے آزاد کر دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

حتّٰی اذا اثخنتموهم فشدّوا الوثاق فاما منّا بعد واما فداء (محمد)

اگر کوئی شخص اپنے غلام کو فی سبیل اللہ آزاد نہیں کر سکتا اور غلام کے پاس اپنی قیمت ادا کرنے کے لیے رقم موجود ہے یا وہ اس کا انتظام کر سکتا ہے تو مالک کو اُسے قیمت لے کر آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اسے اسلام کی اصطلاح میں مکاتبت کہتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کا حکم ہے:

والذین یبتغون الکتٰب مما ملکت ایمانکم فکاتبوهم ان علمتم فیهم خیراً وّاٰتوهم من مال الله الذی اٰتاکم۔ (النور)

قسم، ظہار، قتلِ عمد اور قتلِ خطاء وغیرہ جرائم کا ایک کفارہ یہ بھی مقرر کیا کہ غلام آزاد کیے جائیں۔ دوسرے مذاہب کے برخلاف آزاد انسانوں کے مقابلہ میں غلاموں کے لیے جرائم کی سزائیں نصف کی حد تک کم رکھیں اور ان کے فرائض میں بھی تخفیف کر دی۔ یہ رویہ اسلام کے اس جذبۂ ترحم و شفقت

کا پتہ دیتا ہے جو وہ غلاموں کے متعلق اپنے اندر رکھتا ہے۔ مصارفِ زکوٰۃ کی ایک مد غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے مخصوص کر دی اور اس طرح غلاموں کی آزادی کو حکومت یا پورے معاشرے کی ذمہ داری بنا دیا۔

مشرک مرد اور عورت چاہے وہ ظاہری اور مادی لحاظ سے کتنے ہی پرکشش کیوں نہ ہوں، کے مقابلے میں مومن غلام یا کنیز کو بہتر اور افضل قرار دے کر، ان سے مسلمانوں کو نکاح کرنے کی ترغیب دی اور اس طرح اس معاشرتی دیوار میں شگاف ڈال دیا جو آزاد اور غلام کے درمیان حائل تھی۔ اس سلسلے کی درخشاں مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس طرح پیش کی کہ قریش کے اونچے گھرانے کی ایک عورت ـــــ حضرت زینبؓ ـــــ کا نکاح اپنے ایک سابق غلام حضرت زیدؓ سے کر دیا اور اس سلسلے میں اٹھنے والے طوفانِ طعن و تشنیع کی قطعاً پروا نہ کی۔ اس کے بعد یہ باب ایسا وا ہوا کہ غلاموں کے حوصلے بلند ہوئے اور انہوں نے بلا حجاب قریش کے اعلیٰ خاندانوں میں نکاح کے پیغام دیئے اور وہ قبول ہوئے۔

قرآنِ حکیم کی پیدا کردہ احترامِ انسانیت کی یہی وہ رُوح تھی جس کے پیشِ نظر حضورؐ نے غلاموں کے لیے عبد اور ان کے مالکوں کے لیے مولیٰ اور رب کے الفاظ کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ اور ان سے حُسنِ سلوک کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

هم اخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن كان اخوه تحت ايديه فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس ولا يكلفه ما يغلبه فان كان مما يغلبه فليعنه۔

مَیں اس فرمانِ نبوی کا ترجمہ کیے بغیر آگے نہیں بڑھنا چاہتا تاکہ عربی نہ جاننے والے بھی اس کا مفہوم سمجھ لیں اور دیکھیں کہ اسلام کی تعلیم کتنی بلند ہے اور کس بے دردی سے ہم نے اس کو نظر انداز کر رکھا ہے۔ حضوؐر کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ غلام کوئی گھٹیا مخلوق نہیں بلکہ، تمہارے ہی بھائی بند ہیں، جنہیں اللہ نے تمہارا زیردست بنا دیا ہے۔ پس تم میں سے جس کے ماتحت کوئی ایسا انسان ہو، اُسے چاہیے کہ اُسے اُسی کھانے میں سے کھلائے جو وہ خود کھا رہا ہو۔ اور اسی قسم کا لباس پہنائے جو وہ خود پہن رہا ہے۔ اور اس پر کام کا اتنا بار نہ ڈالے جس کے تلے وہ دب کر رہ جائے۔ اگر سُوئے اتفاق سے

ایسا کوئی کام دے دیا ہے تو پھر خود بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔ پیغمبر اسلام کی اس تعلیم پہ تو سر دھنیے، مگر ان کے نام لیواؤں کے طرزِ عمل پر اپنا سر پیٹ لیجیے۔

قرآن حکیم اور حاملِ قرآن کی اس تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ ہمارے اسلاف نے غلاموں کو بیٹوں کی طرح پالا اور اپنی بیٹیاں ان کے نکاح میں دے دیں۔ یہ امتیاز غالباً صرف مسلمان قوم کو حاصل ہے کہ اس کی تاریخ میں برصغیر پر خاندانِ غلاماں اور مصر پہ خاندان ممالیک (جو غلاماں ہی کا مترادف ہے) مدتوں حکمران رہے۔ اور مسلمانوں نے ان کی بالکل اسی طرح جان و دل سے اطاعت کی جس طرح وہ کسی بڑے سے بڑے خاندانی حکمران کی کرتے تھے۔

اسلام نے معاشرے میں غلام کا مرتبہ اتنا اونچا کر دیا تھا اور غلاموں نے اس حوصلہ افزا فضا میں اپنی صلاحیتوں کو اس طرح چمکایا کہ بنی اُمیہ کا مغرور خلیفہ عبدالملک بن مروان اس وقت سر بہ گریبان رہ گیا جب اُسے بتایا گیا کہ اس وقت مکہ، یمن، مصر، شام، جزیرہ اور بصرہ وغیرہ مرکزی شہروں کی علمی سیادت عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان، یزید بن صہیب، مکحول بن مہران، ضحاک بن مزاحم اور حسن بن ابوالحسن جیسے غلاموں یا غلام زادوں کو حاصل ہے۔ جنگ موتہ کی مہم میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام زادے اسامہ بن زید کو سپہ سالار بنا کر اور بڑے بڑے قریشی زعماء کو ان کے زیر کمان دے کر غلاموں کے احساس کہتری کو مٹانے اور سادات و کبراء کے احساسِ برتری کو کچلنے اور انسانی حریت و مساوات کی ایک نہ بھولنے والی مثال قائم کر دی۔

آج اگرچہ غلامی کے آثار مٹ چکے ہیں تاہم نام کی تبدیلی کے ساتھ یہ لعنت اب بھی موجود ہے۔ قرآنِ حکیم نے عظمت و احترامِ انسانیت کی جو تعلیم دی تھی۔ اگر اُسے قائم رکھنا ہے تو ہمیں غلاموں کے اس طبقے کے ساتھ جو اس دور میں ملازمین، خدام اور محنت کش کے نام سے مشہور ہے، ہمیں اپنا رویہ بدلنا ہوگا۔ حضورؐ کے اس فرمان کو ایک دفعہ پھر اپنے ذہنوں میں تازہ کیجیے کہ: "وہ تمہارے بھائی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ پس تم میں سے جس شخص کے ماتحت اگر کوئی ایسا شخص ہو تو اُسے چاہئے کہ اُسے وہی کھانا کھلائے جو خود کھاتا ہے، وہی لباس پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے، اسے ایسا کام نہ دے جو اس کی استطاعت سے زیادہ ہو اور اگر ایسا کر بیٹھے تو وہ خود بھی اُس کی مدد کرے"۔

یہ ملازم و خدام اور یہ محنت کش بھی تو ہمارے بھائی ہی ہیں جنہیں گردشِ زمانہ نے ہمارے ماتحت

کر دیا۔ کاش! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فرمان سے روشنی حاصل کریں۔ اسے اپنا اُسوہ بنائیں۔ اگر ہمارے دلوں میں قرآنِ حکیم کی تعلیم کا کچھ بھی پاس ہے اور ہمارے نزدیک اُسوۂ رسولؐ کی کچھ بھی اہمیت ہے تو ہمیں چاہیے کہ ان لوگوں کے مشاہرے، معاوضے، اُجرتیں اور شرائطِ کار و ملازمت طے کرتے وقت اس فرمانِ نبوی کو مشعلِ راہ بنائیں۔ اُن کے یہ مشاہرے اتنے ہوں کہ وہ ہم سا لباس پہن سکیں اور ہم سا کھانا کھا سکیں۔ انہیں گدھے اور بیل سمجھ کر ان کی پیٹھ پر بوجھ کا آخری تنکا بھی نہ ڈال دیں، بلکہ انہیں انسان تصور کرتے ہوئے ان کی اوسط استعداد کے مطابق کام دیں۔ اور اُن کی قوّتِ کارکردگی کو قائم اور مسلسل رکھنے کے لیے ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں کہ وہ قبل از وقت دم توڑ دیں بلکہ انہیں آسائش و آرام کا موقع بھی دیں اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ہمارا ان سے سلوک ایسا ہو جیسا ایک شریف انسان کا کسی معزز انسان کے ساتھ ہوتا ہے، بلکہ مسلمان ہونے کے ناطے اُس میں اخوت، بھائی چارے اور اپنائیت کی رُوح کارفرما ہونی چاہیے۔ مگر یہ جبھی ممکن ہے کہ سرمایہ دار آجر کے ذہن سے یہ بات نکل جائے کہ اس کا سنہری یا روپیلی سکّہ محنت کش کے سُرخ خون سے افضل ہے۔ اور وہ محنت کو بھی اتنی ہی اہمیت و فوقیت دے جتنی وہ اپنے دھات کے سکے یا کاغذ کے نوٹوں کو دیتا ہے اور وہ کام کرنے والے کو نوکر اور اپنے آپ کو آقا سمجھنا بند کر دے اور فریقین کے اس تعامل کو باہمی تعاون تصور کرے۔ جب تک سرمایہ دار (آجر) کے ذہن میں یہ انقلاب نہیں آتا، یہ ملازم، یہ خدام، یہ محنت کش بیسویں صدی کے غلام بنے رہیں گے اور غلامی کی ہر قسم کو مٹانے کا قرآنی مقصد شرمندۂ تعبیر رہے گا۔

(باقی)